

## مذاکرہ

# دینی مدارس کا نظامِ تعلیم

مرتبہ: خرم مراد

فنی صلیبی جنگ، دینی مدارس کے دروازوں پر (مئی ۹۵) میں ہم نے مدارس کے خلاف حکومت پاکستان اور مغربی حکومتوں کی مہم اور اس کے اسباب کا مختصر جائزہ پیش کیا تھا۔ ملت کی طرح مدارس بھی ابھرا ہوا معاشرے کے لیے تیار نظر نہیں آتے۔ برادرہ مند صاحب نظر جانتا ہے کہ دونوں ایک زبردست قوتِ اجتماع و جماد کے ذریعے اصلاحِ تغیر و تبدل اور تعمیر نو کے ہی اس معاشرے میں کامیابی کی توقع کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے 'دینی مدارس میں تغیر و اصلاح کے موضوع پر ہم قدیم و جدید علماء و مفکرین کے افکار کو ایک مذاکرے کی صورت میں مرتب کر کے قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ یہ اعتراف ضروری ہے کہ مختصر سے صفحات میں ایک مذاکرہ جامع نہیں ہو سکتا اور یہ بھی کہ اس مذاکرے میں پیش تر بحث کا محور نصابِ تعلیم ہے جبکہ نظامِ تعلیم کے دوسرے پہلو بھی اہم ہیں۔ (مدیر)

۱۔ مولانا قاسم نانوتوی: ترجمانی 'سید مناظر احسن گیلانی' سوانح قاسمی، ج ۲

حد سے زیادہ تاریک اور مہیب مستقبل کا جس سے اچانک سرزمینِ ہند میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دوچار ہو گئی تھی، مقابلہ کرنے کے لیے جو میدان میں اترا تھا، وہ جو کچھ ہو سکا کر گزرا۔ یوں اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک مستقل دینی و علمی تحریک کی بنیاد پڑ گئی۔ اپنے بانی کے نام کی نسبت سے اس کی تعبیر چاہیے کہ "قاسمیت" کے نام سے کی جائے۔

دینی تعلیم کا مستقل نظام 'اس تحریک کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو ہے جس کی بنیاد دارالعلوم دیوبند پر قائم ہے۔ مگر جس تعلیمی نظام سے مغرب نے دنیا کو روشناس کرایا ہے، اس میں سے جماعتِ ہندی، امتحان، خصوصاً تحریری امتحان، طلبہ کی حاضری کے رجسٹر اور ازیں قبیل دوسرے لوازم و خواص کے ایک بڑے حصے کو اس دارالعلوم میں نہ صرف قبول کر لیا گیا ہے بلکہ پوری قوت و احتیاط کے ساتھ

تعلیم کی ان جدید خصوصیات کی نگرانی بھی کی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ دیوبند میں عصری یونیورسٹیوں کی خصوصیات کے شریک ہونے کے اسباب کیا ہوئے؟ کیونکہ مسلمانوں میں تعلیم کا جو طریقہ مروج تھا، اس میں ہم ان جدید خصوصیتوں کو نہیں پاتے، افادیت اور عدم افادیت کی بحث جداگانہ ہے۔

[جہاں تک میرا خیال ہے] ہندوستان کی نئی حکومت نے جو عربک کالج دہلی میں قائم کیا، اس کے صدر مولانا مملوک العلی سے بانی دارالعلوم نے تعلیم حاصل کی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی اور ان کو دینی زندگی سے منحرف کرنے کی کوششوں کے مقابلے کے لیے دینی علوم کی عمومیت کے لیے کیا کرنا چاہیے اور نئے حالات کی رو سے تعلیم و تدریس کے نظام میں کن اصلاحات کی ضرورت ہے، ان مسائل کے حل کے لیے دہلی عربک کالج کے ماحول میں ”نظریات“ کو ”عملی قالب“ میں دیکھنے کے مواقع آپ کو ملے۔ ایسی صورت میں کوئی وجہ نہ تھی کہ اجتماعی درس و تدریس کے جس طریقے کا آپ مشاہدہ فرما رہے تھے، اس سے استفادے کی تدبیریں آپ کے دماغ میں نہ آئی ہوں۔

حضرت نے بطور وصیت نامے کے ان بنیادی اصولوں کو قلم بند فرمایا جن پر آپ نے اس دارالعلوم کی بنیاد قائم فرمائی تھی اور وصیت فرمائی کہ آئندہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں دارالعلوم کے نظم و نسق کی باگ آئے، وہ ان اصولوں کی روح کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔

اسی تحریر خاص میں ایک دفعہ ان الفاظ میں بھی ہے کہ ”دارالعلوم کا تعلق عام مسلمانوں سے زائد سے زائد ہو، تاکہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کرے، جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو۔“ گویا دارالعلوم کا مسلمانوں سے ”جمہوری تعلق ہو، جو ایک کو دوسرے کا محتاج بنائے رکھے۔“ اسی بنیاد پر آپ آمدنی کے کسی مستقل ذریعے کے قائم کرنے کے خلاف تھے کہ حکومت یا کسی رئیس کی دوائی امداد یا مستقل جائداد کی صورت میں عام مسلمانوں سے احتیاجی رشتہ دارالعلوم کا باقی نہ رہے گا۔

اسی طرح، دینی زندگی کی حفاظت کے لیے اس جدید تعلیمی نظام میں، حضرت کے نزدیک، ہمارے قدیم علما کی تدریس و تعلیم کا انفرادی طریقہ قطعاً ناکافی تھا، اور مشاہدے سے اس کی تصدیق بھی ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ کیفیت میں ترقی تو اسی طریقے سے ہوتی ہے، لیکن علم کی وسعت اور علما کی تعداد بڑھانے کی واحد صورت یہی ہے کہ درس و تعلیم کے اجتماعی طریقے کو اختیار کیا جائے۔ اس لیے آپ ایسا نظام قائم کرنا چاہتے تھے جس میں حتی الوسع تعلیم کے عصری لوازم اور تقاضوں کو بھی سمونے کی صورت نکالی جائے۔

جس زمانے میں [آپ ان نظریات کے لیے جگہ ڈھونڈ رہے تھے] آپ اندازہ ہی نہیں کر سکتے

کہ ہمارے قدیم علما کے لیے ان چیزوں ہی کی نہیں بلکہ ان کے تصور کی بھی کیا نوعیت تھی۔ ان مولویوں کے نزدیک علم کی کیفیت کا مسئلہ تھا، جبکہ آپ کے لیے کیفیت سے زیادہ کیمت اور مقدار کا مسئلہ اہم تھا۔ نظام تعلیم میں سب سے پہلا مسئلہ نصاب تعلیم کا ہے۔ جو کچھ پڑھا پڑھایا جاتا ہے اس کو دیکھ کر عام رائے یہی قائم ہو سکتی ہے کہ دارالعلوم کی تاریخ میں نصاب تعلیم کے مسئلے پر شاید کبھی غور نہیں کیا گیا، من و عن درس نظامیہ کا نصاب قبول کر لیا گیا، اور زمانے کے جدید تقاضوں کی طرف سے چشم پوشی اختیار کی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ جو دیکھا جا رہا ہے اس کو دیکھ کر کہنے والے آخر اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ لیکن حضرت کا نقطہ نظر اس باب میں کیا تھا؟ اس کو پیش کرنے سے پہلے چاہیے کہ ایک بات سمجھ لی جائے۔

تعلیمی نصاب کے متعلق سب سے زیادہ اہم سوال یہی ہے کہ یورپ کے جن جدید علوم و فنون اور زبانوں سے آگاہی حاصل کیے بغیر عصر حاضر میں امتیاز و وقار حاصل نہیں کیا جاسکتا، ان کا پوند دینی علوم سے کیسے قائم کیا جائے۔

اب تو علما کی اکثریت اس سوال کی اہمیت کو محسوس کرنے لگی ہے، لیکن اس مسئلے کا حل پھر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی کتابیں بھی نصاب میں شریک کرنی چاہئیں؟ یا جدید علوم و فنون سے فارغ ہونے کے بعد اسلامی علوم کے سیکھنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ ایک تیسرا احتمال بھی ہے۔ یعنی پہلے مسلمان بچوں کو دینی علوم سے کم از کم وقت میں قدر ضرورت کی حد تک واقف بنالینے کے بعد ان کو جدید علوم و فنون کی یونیورسٹیوں میں شریک کیا جائے۔

اب دیکھیے کہ حضرت کا زاویہ نگاہ اس باب میں کیا تھا:

فارغ طلبہ کو سند و انعام دینے کے لیے ۹ جنوری ۱۸۷۴ کو ایک جلسہ دیوبند میں منعقد ہوا تھا۔ ”کانوویشن“ طرز کا یہ جلسہ تھا۔ ایک خصوصیت اس جلسے کی یہ بھی نظر آئی کہ فارغ ہونے والے طلبہ سے علم کے کسی خاص موضوع پر امتحانی مقالے لکھوائے گئے تھے۔ یعنی یونیورسٹیوں کے آخری مدارج میں جیسے مقالے لکھوائے جاتے ہیں، دارالعلوم میں تقریباً ایک صدی پہلے یہ سنت جاری ہو چکی تھی، جو افسوس ہے کہ بعد کو جاری نہ رہی۔

اسی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ”اب ہم اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے کہ درباب تحصیل، یہ طریقہ خاص کیوں تجویز کیا گیا۔ یعنی، علوم جدیدہ کو کیوں نہ شامل کیا گیا۔ منجملہ دیگر اسباب کے، بڑا سبب اس بات کا تو یہ ہے کہ تربیت عام ہو، یا خاص، اس پہلو کا لحاظ چاہیے جس کی طرف سے ان کے کمال میں رخنہ پڑا ہو۔ سوائل عقل پر روشن ہے کہ آج کل تعلیم

علوم جدیدہ تو بوجہ کثرتِ مدارس سرکاری اس ترقی پر ہے کہ علوم قدیمہ کو سلاطینِ زمانہ سابق میں بھی یہ ترقی نہ ہوئی ہوگی۔ ہاں 'علومِ نقلیہ' (یعنی خالص دینی و اسلامی علوم) کا یہ تنزل ہوا کہ ایسا تنزل بھی کسی کارخانے میں نہ ہوا ہوگا۔ ایسے وقت میں رعایا کو مدارسِ علوم جدیدہ کا بنانا تحصیل حاصل نظر آیا۔ لہذا صرف بجانبِ علومِ نقلی (یعنی خالص اسلامی و دینی علوم) اور نیز ان علوم کی طرف جن سے استعدادِ علومِ مروجہ اور استعدادِ علوم جدیدہ یقیناً حاصل ہوتی ہے، (انعطاف) ضروری سمجھا گیا۔

یعنی 'مسلمان جس علم سے محروم رہ جانے کے بعد مسلمان باقی نہیں رہ سکتے' اور نئی حکومت جن علوم کی سرپرستی سے صرف دست بردارتی نہیں ہوگئی بلکہ اس کے پیدا کیے ہوئے ماحول میں وہ زبونی کے آخری حدود تک پہنچ چکے ہیں، ان علوم کے احیا و بقا کا انتظام رعایا کی مالی امداد سے کیا جائے۔

خصوصی توجہ کا مستحق توجیہ کا دو سرا پہلو ہے۔ فرمایا کہ اس طرح "استعدادِ علوم جدیدہ یقیناً حاصل ہوتی ہے"۔ یعنی 'مروجہ نصاب کو پڑھ کر فارغ ہونے والوں میں علوم جدیدہ کے حاصل کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا علوم جدیدہ کی تعلیم کا مقدمہ بھی دینی تعلیم کا نصاب بن سکتا ہے۔ آگے نصاب میں علومِ نقلیہ اور علومِ دانش مندی کو داخل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے 'اپنے صحیح تعلیمی نصب العین کو حضرت نے واضح فرما دیا ہے: "اس کے بعد اگر طلبہ مدرسہ ہذا مدارس سرکاری میں جا کر علوم جدیدہ کو حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ مؤید ثابت ہوگی"۔

غم و غصہ اور دل افکاری کے ان ایام میں 'جب مسلمانوں کو ہندستان جیسی اقلیم کی شہنشاہیت سے محروم کر کے غلام بنا لیا گیا تھا' ان کے قلوب میں قدرتا اس قوم کی طرف سے انتقام اور نفرت کی آگ بھری ہوئی تھی جس کے ہاتھوں اس سیاہ انجام تک وہ پہنچے تھے 'ہر وہ چیز جو اس قوم کی طرف منسوب تھی فطرتاً اس سے مسلمان بھڑکتے تھے' انگریزی مدارس میں جو کچھ پڑھایا جاتا تھا اس کے تصور سے بھی وہ لرزہ بر اندام ہو جاتے تھے۔ اسی ماحول میں حضرت یہی نہیں کہ انگریزی مدارس میں داخل ہو کر تعلیم پانے کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں بلکہ بغیر کسی جھجک کے مولویوں کی بھری ہوئی مجلس میں اعلان فرما رہے ہیں کہ سرکاری مدارس میں شریک ہو کر علوم جدیدہ کی تعلیم 'علمی کمالات کے چمکانے اور آگے بڑھانے میں مولویوں کے لیے مفید ثابت ہوگی۔

اللہ اللہ! ایک طرف اسی زمانہ میں مولویوں کی اکثریت یہ باور کیے بیٹھی تھی کہ جو کچھ انہوں نے پڑھ لیا ہے 'اس کے سوا کوئی دوسری چیز ایسی نہیں ہے جسے سیکھا اور پڑھا جائے۔ دوسری طرف 'ان بنی مولویوں کے درمیان 'پکارنے والا پکار رہا ہے کہ مولویوں میں جو اپنے علمی کمالات میں مزید فروغ اور زیادہ وزن پیدا کرنا چاہتا ہے 'چاہیے کہ یورپ کے جدید علوم کا مطالعہ کرے اور ان کی علمی